© rasailojaraid.com

تیسری دُنیا
اور
اقبال

——— الطاف جاوید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقالہ زیرِ نظر کے مصنف جناب ڈاکٹر الطاف جاوید نے مارکسیت کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور وہ اس فلسفہ سے اس حد تک متاثر ہیں کہ یہ فلسفہ ان کا اندازِ فکر بن چکا ہے۔ بایں ہمہ آپ علامہ اقبال سے بھی بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں آپ کے پیش کردہ خیالات میں بھی مادی جدلیت کارفرما ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے مقالہ میں لکھا ہے "اقبال کے نظریہ خودی کی اساس مابعد الطبیعیات کی بجائے جدلیات پر رکھی گئی تھی"۔ حالانکہ علامہ اقبال فرماتے ہیں "میری تحریروں میں خودی کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوا ہے، اخلاقی اور مابعد الطبیعی (اقبال نامہ، جلد دوم، ص ۲۳۸)۔ اسی طرح آپ نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ علامہ اقبال نے کسان کی "حالت بدلنے کے لئے سب سے پہلا نسخہ جو تجویز کیا وہ تھا زمین کو نجی ملکیت سے نکال کر قومی ملکیت میں لینا"۔ معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا۔

یہ صحیح ہے کہ علامہ اقبال غیر اسلامی تصورِ ملکیت کے خلاف تھے لیکن ملکیت کا اسلامی تصور جو تمتع کرنے اور تمتع کرنے دینے کی اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ مشروط ہے اقبال کے نزدیک ناقابل قبول نہیں تھا۔ اسلام کے مخصوص تصورِ ملکیت پر زور دینے کی غرض سے ہی آپ نے ملکیت کے مقابلے میں متاع کی اصطلاح استعمال کی۔ غرض حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا یا لکھا وہ ملکیت مطلقہ کے سرمایہ دارانہ تصوّر کی انسانیت کش اور اخلاق سوز برائیوں کے خلاف تھا یا پھر ملکیت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی زمین پیوندی کے خلاف جو انسان کو اخلاقی فضائل کے لئے جدوجہد کرنے سے محروم کر دیتی ہے۔

راقم الحروف نے اپنے مضمون "علامہ اقبال کے زرعی نظریات" میں، جو اسی شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے اقبال کے موقف کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کا مضمون بہرحال بہت دلچسپ اور معلومات افروز ہے۔ بالخصوص مضمون کے آخری حصے میں ان کا اسلامی جذبہ پوری شدّت سے ابھر آیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسری دُنیا اور اقبالؒ

تیسری دُنیا کی اصطلاح ابھی حال ہی میں وضع ہوئی ہے، جس کا مفہوم افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کی پسماندہ اور ترقی پذیرا اقوام ہیں۔ اقبال کے عہد میں ان اقوام کے لئے یہ اصطلاح موجود نہیں تھی۔ ان دنوں ان اقوام کے لئے عام طور پر "اقوامِ مشرق" کا لفظ، مغرب کی ترقی یافتہ اقوام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ دُنیا عملی طور پر دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک طرف مغرب کا صنعتی، سائنسی اور تہذیبی ارتقاء و عروج تھا تو دوسری طرف مشرق کی معاشی پسماندگی، جہالت، ذہنی افلاس اور تہذیبی زوال تھا۔ مگر ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب کی کامیابی نے صورت حال کو بدل دیا۔ اشتراکی انقلاب نے روس اور وسط ایشیا کی مسلم اقوام کو بڑی سُرعت سے یورپ کی ترقی یافتہ اقوام کے دوش بدوش لا کھڑا کیا اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اشتراکی انقلاب سوویت یونین کی حدود سے نکل کر چین، مشرقی یورپ، جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کی کی سرحدوں تک پھیل گیا۔ کرۂ ارض کے ہر ملک میں اشتراکی نظریات رکھنے والی مضبوط جماعتیں قائم ہو گئیں اور چند ہی برسوں میں چین اور مشرقی یورپ نے اشتراکی فلسفہ حیات کی مدد سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں حیرت انگیز ترقی کر لی۔ جنوب مشرقی ایشیا، لاطینی امریکہ، مشرق وسطیٰ اور افریقہ کی آزاد ریاستوں نے سوویت یونین اور چین کی عملی مدد سے ایک طرف تو مغربی سامراج کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی، دوسری طرف اپنی معیشت اور معاشرت کو اشتراکی نظریات کی روشنی میں نئے سرے سے مدوّن کرنا شروع کیا۔ اسی طرح مغربی یورپ اور امریکہ کے مقابلہ میں سوویت یونین، چین اور مشرقی یورپ کا ترقی یافتہ تہذیب و تمدّن وجود میں آیا۔ اب دُنیا کی اقوام تین حصوں میں بٹ گئیں، ایک حصہ جو غیر اشتراکی مغربی یورپ اور امریکہ پر مشتمل ہے، دوسرا حصہ جس میں اشتراکی ممالک ہیں جو اب سائنسی اور فنی ارتقاء میں مغرب سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ ان دو مختلف اور متضاد ترقی یافتہ نظاماتِ معیشت و تہذیب کے مقابلہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دُنیا کی وہ اقوام ہیں، جو سامراجی مغرب اور اشتراکی ممالک سے علیحدہ اپنا وجود رکھتی ہیں۔ یہ اقوام ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ تینوں براعظموں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی قومیں مغربی یورپ کی اقوام کے تسلط سے آزاد ہو چکی ہیں اور کچھ آزاد ہونے کے لئے آزادی کی جنگ لڑ رہی ہیں۔

تیسری دنیا اپنی معدنیات، زراعت، جغرافیائی نوعیت اور سستی محنت کی وجہ سے مغرب کی ترقی یافتہ اقوام کے لئے لقمۂ تر کی حیثیت رکھتی رہی ہے۔ مشینی دَور کی ابتدا صنعتی انقلاب اور مالیاتی سرمایہ (FINANCE CAPITAL) کے عروج تک تو مغربی یورپ اور امریکہ تنہا تیسری دُنیا کے خام مال کے ذرائع کا استحصال کرتے رہے اور اپنی مصنوعات کے لئے اسے ایک منڈی کی حیثیت سے استعمال کرتے رہے مگر جب سے سوویت یونین نے امریکہ کے ساتھ اپنے اختلافات کم کرنے کی کوشش شروع کی ہے وہ بھی تیسری دُنیا پر اپنا تسلط جمانے اور اسے مصنوعات بیچنے کی جگہ تصور کرنے میں امریکی سامراج کا ساتھی بن چکا ہے۔ سوویت یونین کے اس طرزِ عمل نے اسے اشتراکی فلسفۂ حیات کی حامل نظریاتی قوت کی بجائے ایک عظیم سلطنت اور اس کے مفادات کی نگہداشت کرنے والی طاقت میں بدل دیا ہے۔

علامہ اقبال نے جب " پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق " لکھی تو اس وقت تک یورپی معیشت صنعتی سرمایہ کاری سے مالیاتی سرمایہ کاری میں تحویل ہو چکی تھی۔ اقبال کا عہد مغربی یورپ اور امریکہ کے تیسری دُنیا پر سامراجی اور نوآبادیاتی تسلط کا عہد تھا۔ اقبال کے افکار و نظریات اس کی شاعری اور خطبات کا تاریخی پس منظر اور سرچشمہ ہی تیسری دنیا اور اس کے مسائل ہیں۔ جب تک ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی اقوام کے فکری اثاثہ، اُن کے ہاں خام مال کے قدرتی ذرائع کی فراوانی اور ان کی سیاست و معیشت پر مغرب کے سامراجی تسلط اور اس تسلط سے پیدا ہونے والے مسائل کی نوعیت اور حیثیت کو نہ سمجھا جائے، اقبال کے فلسفۂ حیات اور پیغام کو صحیح اور پوری طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔

اقبال نے اپنے تعلیمی دَور اور بعد کے اسفار میں یورپ کے سامراجی ضمیر کا بہت عمیق مطالعہ کیا تھا۔ بیسویں صدی کی پہلی دہائیوں میں اس نے روس میں اشتراکی فلسفۂ حیات کی کامیابی اور کرۂ ارض پر اس کے اثر کو پھیلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے کارل مارکس کے نظریۂ کائنات، اس کے تصورِ تاریخ اور سرمایہ داری نظام کے تجزیہ کا پوری طرح جائزہ لیا تھا اور اس جائزہ میں اشتراکی فلسفۂ حیات کے خام اور فاسد پہلوؤں کے ساتھ اس کے انسان پرور اور ترقی پسند تصورات کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ مغربی سامراج اور اشتراکی فلسفہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالعہ کے ساتھ ساتھ تیسری دُنیا کی اقوام کے زوال پذیر ہونے کے اسباب اور اُن پر مغربی تسلط نے جن مسائل کو پیدا کر دیا تھا، ان مسائل کی نوعیت اور انہیں حل کرنے کی تکنیک کو بھی سمجھنے کی پوری کوشش کی۔ اقبال کی شاعری، اُس کے ملفوظات، اُس کے خطبات اور اس کا فلسفہ حیات تیسری دُنیا کے ان مسائل پر روشنی ڈالتے، ان کا تجزیہ کرتے اور انہیں حل کرنے کی فکری اور عملی منہاج (METHOD) کی نشاندہی کرتے ہیں۔

تیسری دُنیا پر مغربی یورپ اور امریکہ کے سامراجی تسلط سے جو مسائل پیدا ہوئے، ان مسائل میں سے سرفہرست ان اقوام کی سیاسی اور معاشی غلامی اور اس سے پیدا ہونے والی ذہنی شکست خوردگی، نظریاتی پژمردگی، تہذیبی زوال اور علمی کم مائیگی ہے۔

تیسری دُنیا کی اقوام پچھلے آٹھ ہزار برس سے عظیم مذاہب اور حکمت کا گہوارہ رہی ہیں۔ ان کی سرزمینیں فطرت کے معدنی اور زرعی خزانوں سے مالا مال ہیں۔ ان اقوام کے مذاہب نے جس تصوّرِ کائنات اور اس میں آدمی کے مقام کا جو تعین کیا تھا، مغرب اپنی ساری علمی ترقی اور سائنسی افکار کے باوجود اس بلندی تک نہیں پہنچ سکا۔

اقبال کے عہد میں تیسری دُنیا کی اقوام اپنی نو آبادیاتی حیثیت سے نجات حاصل کرنے کے لئے شدید جدوجہد کر رہی تھیں۔ اقبال نے اس جدوجہد میں ان کی رہنمائی کے لئے اپنے فلسفۂ خودی کو پیش کیا۔ اسرارِ خودی کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۶ء میں یعنی روس میں اشتراکی انقلاب کی تکمیل سے ایک برس پیشتر شائع ہوا۔ فلسفۂ خودی کو مرتب و منضبط شکل میں پیش کرنے والی اس عظیم دستاویز نے اقوامِ مشرق کو اپنی نجات کا جو راستہ دکھایا تھا، مغربی سامراج کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لئے نو آبادیاتی ممالک کی قومی تحریکوں نے اُسی راستہ کو اپنایا اور یہ راستہ تھا تیسری دُنیا کی اقوام کے لئے خود شناسی اور معرفتِ ذات کا راستہ، یعنی اپنے عظیم اور تابناک ماضی کو پہچاننے کی کوشش، اپنی حکمت کے خزانوں کی اہمیت سے واقف ہونے کی سعی، جس کے بغیر بقول برٹرینڈ رسل علم زندگی کے لئے کوئی روشنی مہیا نہیں کر سکتا، اپنے مذاہب کے پیش کردہ فلسفہ حیات، تصورِ کائنات، انسانی فطرت کے اسرار و غوامض سے آگاہی، تاریخ اور فطرت میں انسان کے مقامِ بلند کی نشاندہی، اپنی سرزمینوں میں مدفون معدنی اور زرعی ذخائر کی فراوانی اور ان کی صنعتی اور فوجی اہمیت سے باخبر ہونا، اپنی جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے فوجی اور دفاعی اہمیت کے ناکوں پر اطلاع پانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال کے عہد میں سب سے بڑی سامراجی طاقت برطانیہ تھی۔ اسرارِ خودی کا فلسفۂ حیات برطانوی سلطنت کے سامراجی تقاضوں کے خلاف تھا۔ ڈاکٹر بُرہان احمد فاروقی صاحب نے مجھے بتایا کہ اسرارِ خودی کے شائع ہونے کے بعد افریقہ کے ایک دانشور نے اسے برطانوی ایمپائر کے لئے ایک خطرہ قرار دیا تھا۔ ڈاکٹر برہان صاحب کی اس بات کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ دہلی کے مرکزی انٹیلی جنس بیورو میں اقبال کے متعلق فائل کے ابتدائی الفاظ یہ تھے۔" اقبال ہندوستان میں گھُنا بدمعاش" (IQBAL THE QUIETEST ROQUE IN INDIA)

برطانیہ نے اس کتاب کو ضبط تو نہ کیا، مگر قومی تحریکوں کی جدوجہد آزادی سے الگ تھلگ رہنے والے یورپ کی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل دانشور فلسفہ خودی کی مابعد الطبعیاتی تشریح و تفسیر پر کمربستہ ہو گئے۔ انھوں نے اس کی انقلابی دھار کو کُند کیا اور اسے علم الکلام کا ایک مسئلہ بنا کر معاشرتی عمل سے علیحدہ کر دیا۔ اقبال کے فلسفہ خودی کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اسی مابعد الطبعیاتی، غیر انقلابی اور غیر معاشرتی نقطہ نظر کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔

اقبال کے نظریۂ خودی کی اساس مابعد الطبعیات کی بجائے جدلیات پر رکھی گئی تھی اور جدلیاتی منہاج مطالعہ کسی نظریہ کی محض تشریح نہیں کرتا بلکہ اس نظریہ کے ماتحت معاشرہ کو بدلنے کے لئے ایک طریقِ کار کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرار خودی کی اشاعت کے بعد اقبال نے جہاں نظریہ خودی کے مختلف پہلوؤں پر مزید روشنی ڈالی، وہاں اقوامِ مشرق کو مغربی غلامی سے نجات دلانے اور ان کی معاشرتی حقیقت کو تبدیل کرنے کے لئے اس معاشی طبقے کی نشاندہی کی جو ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی پسماندہ اور محکوم اقوام کی معاشرتی معاشی، سیاسی اور تہذیبی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا، جس کے شعور کی تربیت اور تنظیم سے معاشرتی اساس تبدیل ہو سکتی تھی۔ یہ طبقہ کسان تھا اور کسان کا اساسی مسئلہ "ملکیتِ زمین" تھا۔ تاکہ وہ اپنی محنت کا ثمر خود کھا سکے اور ایک ایسے طبقہ کا خاتمہ ہو، جس کا زمین سے مالکانہ تعلق تو ہے مگر اس پر وہ محنت نہیں کرتا۔

تیسری دُنیا کی ۸۰ فیصد سے زیادہ آبادی" گاؤں" میں رہتی ہے۔ تیسری دُنیا کی اقوام کے تمام مسائل گاؤں کے گرد گھومتے ہیں اور ان اقوام کی قومی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ زرعی اشیأ ہیں، یہاں زرعی اشیاء سے مراد محض اناج اور پھل نہیں ہیں بلکہ زمین سے برآمد ہونے والی تمام اشیاء جیسے معدنیات، تیل، گیس، اور کوئلہ، اُون، کھالیں اور حیوانات کی [illegible] بھی شامل ہیں۔ مشرقی اقوام میں عام طور پر زمین کا بیع و شراء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفقود تھا، زمین بادشاہ کی تھی جو کسان کو انتفاع کے لئے دی جاتی تھی اور زمین کے بڑے بڑے قطعوں کو لگان حاصل کرنے کے لئے جاگیروں کی شکل میں تقسیم کر کے ہر جاگیر پر ایک جاگیردار مقرر کیا جاتا تھا جو لگان وصول کر کے مرکزی شاہی خزانہ میں بھیجتا تھا اور جنگ کی صورت میں دیہات سے سپاہی بھی مہیّا کرتا۔ مگر مغربی اقوام نے اس نظام کو توڑ دیا اور زمین کی خرید و فروخت کی اجازت دے دی جس سے بڑے بڑے مالکان زمین پیدا ہو گئے، جن کی وفاداری اور مفاد غیر ملکی حکمران طبقہ سے وابستہ تھے، اس طرح آہستہ آہستہ ان ممالک میں قابل کاشت زمینوں کا ۸۰ فیصد حصہ ملکی اور غیر ملکی زمینداروں اور نئے جاگیرداروں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اگرچہ کسان کی حالت اب پرانے زرعی غلام (SERF) کی نہیں رہی تھی، مگر موجودہ حالت اس قدیم حالت سے بھی بدتر تھی۔ تیسری دنیا کی اقوام کی زراعت قدیم فرسودہ طریقوں سے کی جاتی تھی، جس سے پیداوار بھی کم ہوتی اور جو پیدا ہوتی اسے ملکی اور غیر ملکی زمیندار ہتھیا کر لے جاتے۔ شدید غربت و افلاس اور جہالت سے نیم مردہ محنت کش کسان اپنے گاؤں سے نکل کر یا تو فوج میں بھرتی ہو جاتے اور اپنے غیر ملکی حکمرانوں کو اپنی ہی دُنیا کے دوسرے پسماندہ خطوں پر قبضہ کرنے میں مدد دیتے یا شہروں میں فیکٹریوں اور کارخانوں میں مزدوری کرنے کیلئے ملازم ہو کر اپنے ملکی اور غیر ملکی آقاؤں کی تجوریوں کو اپنی محنت کے ثمر سے بھرتے۔ کارل مارکس اور اقبال کا یہ نظریہ بالکل درست ہے کہ "سرمایہ" کسان اور مزدور کی محنت سے چالاکی اور مکاری سے ہتھیائی ہوئی دولت ہے۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ:۔

تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا

اور

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار

اقبال نے اقوام مشرق کی، جس میں افریقہ اور لاطینی امریکہ کی پسماندہ اقوام بھی شامل ہیں، حالت بدلنے کے لئے سب سے پہلا نسخہ جو تجویز کیا وہ تھا زمین کو نجی ملکیت سے نکال کر قومی ملکیت میں لینا، تاکہ کسان کی محنت پر پلنے والا طبقہ اور اس کا خونخوار استحصالی حربہ ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکے۔ زمین اس کی ہو جو اسے اپنے دست و بازو کی محنت سے کاشت کرے۔ فلسفۂ خودی کا یہ پہلا درس تھا، جس میں محنت کش کو خود شناسی اور معرفت ذات کا درس دیا گیا تھا۔ پچھلی صدی کی تاریخ نے ہمیں بتایا ہے کہ تیسری دُنیا کی اقوام میں جہاں جہاں بھی انقلاب کا دھارا پھوٹا اس کا مرکز "گاؤں اور کسان" تھا، چین، مشرقی یورپ، الجزائر،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوریا، ویت نام، عرب ممالک، کیوبا اور افریقہ کے غلام خطوں میں کسان گوریلے غیر ملکی اور ملکی آقاؤں سے نبرد آزما رہے ہیں اور اپنے خون اور پسینہ سے ان خطوں کو آزاد کروایا۔ "لڑا دے ممولے کو شہباز سے" کا نعرہ وقت کی تقدیر تھا۔ غربت اور جہالت میں اونگھنے والے ممولوں نے اپنی ذات کی معرفت حاصل کرنے اور اپنی تنظیم کے ذریعہ ملکی اور غیر ملکی صاحبِ اقتدار اور صاحبِ جائداد شہبازوں سے اپنے گھونسلے آزاد کرانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔

اقبال نے شہروں کی فیکٹریوں اور ملوں میں، جو عام طور پر غیر ملکی سرمایہ داروں اور بنکروں کے قبضہ میں ہوتی تھیں کام کرنے والے مزدور طبقہ کو کسان کے معاون اور مددگار معاشی طبقہ کی حیثیت سے بیدار کرنے کی بھی کوشش کی۔ "خواجہ از خونِ رگ مزدور سازد لعلِ ناب"۔ اقبال نے "انقلاب، اے انقلاب، اے انقلاب" کا پُرغرور نعرہ بلند کیا۔ اس نے بتایا کہ "آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شد است"۔ اس نے یورپ کی پہلی جنگ عظیم کو "منڈیوں کو تقسیم کرنے والی" جنگ قرار دیا۔ اس نے لیگ آف نیشنز کو کفن چوروں کی جماعت قرار دیا۔ جنہوں نے تیسری دنیا کے ممالک کی قبور کو باہم تقسیم کرنے کے لئے ایک انجمن بنا لی تھی۔ اقبال نے ان فلسفیانہ نظاموں، افکار اور فنونِ لطیفہ کو مُردہ یا نزع کے عالم میں گرفتار قرار دیا جو غلام قوموں کی جدوجہد آزادی میں کام نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے نزدیک وہی فلسفہ اور فن پائیدار، محکم اور نفع مند ہو سکتا ہے، جسے جنگ آزادی میں کام آنے والے جیالوں نے اپنے خون سے سینچا ہو اور جس فلسفہ و فن سے انہیں مزید جدوجہد کے لیے روشنی اور حرارت نصیب ہو۔

پاک و ہند کے کم نظر دانشوروں نے اقبال کے نظریہ خودی کی تفسیر اس طرح کی کہ محکوم اقوام کے لئے اس سے روشنی اور حرارت حاصل ہونا تو کجا رہی، اُلٹا لا ینحل مابعد الطبیعیاتی بحثوں میں ذہن اُلجھ کر رہ گئے۔

اقبال نے یورپ کے فلسفہ کو رد کر دیا تھا، جب ہیگل کے متعلق کہا تھا کہ "ہیگل کا صدف گوہر سے خالی ہے ——— فلسفہ زندگی سے دُوری"۔ تو اس کا مفہوم بھی یہی تھا کہ ہیگل کے فلسفہ جدلیات سے عمل اور جدوجہد کا جو دھارا پھوٹنا چاہیئے تھا، اس کی تصوریت پسند (IDEALISTIC) اساس نے اسے محروم کر دیا۔ اقبال کے فلسفہ خودی اور اس کے سارے متضمنات (IMPLICATIONS) کی تفسیر، تیسری دنیا کی محکوم اقوام کی آزادانہ جدوجہد اور عزم کی روشنی میں ہی کی جا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال نے زمین، کسان، مزدور اور ان کے استحصال کے خلاف جدوجہد کی نشاندہی کے ساتھ ان فکری سوتوں کو بھی بند کرنے کی کوشش کی، جن سے محنت کش عوام کی اپنے ملکی اور غیر ملکی آقاؤں کے خلاف جدوجہد میں جھول پیدا ہوتا تھا۔ تیسری دُنیا کی اقوام میں، جس میں مسلم قومیں بھی شامل ہیں، صدیوں سے ایک حیات گریز اور نفیِ ذات کے تصور پر مبنی تصوّف ترویج پا رہا تھا۔ یہ تصوف چینی، مجوسی، ہندی اور یونانی لبادوں میں اپنا منفی کردار ادا کر رہا تھا۔ اقبال نے اس تصوّف کی بھرپور مخالفت کی اور جہد و عمل پر مرتب ہونے والے تباہ کن اثرات سے آگاہ کیا۔ اس کی جگہ ایک حیات افروز اور اثباتِ ذات کے تصوّر پر مبنی تصوف کی تلقین کی۔ کیونکہ نفی ذات پر مبنی تصوف اور فلسفہ محکوم اقوام کی جدوجہد اور ان کی زندگی کی تعمیرِ نَو کے لئے کسی بھی صحت مند پیغام عمل کے حامل نہیں ہوتے، زندگی کو تعمیر کرنے کا حوصلہ اور ترغیب اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب زندگی کو ایک مثبت اور محکم شئے تصوّر کیا جائے۔ تیسری دُنیا کی محکوم اور پسماندہ اقوام کو کس قسم کے تصوّف اور فکر کی ضرورت تھی اقبال اس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ "خونِ دلِ شیراں ہو جس فقر کی دستاویز" اور یا "وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل"۔

اقبال نے جہاں نفی ذات پر مبنی فلسفیانہ افکار و تصوف اور فن کا انکار کیا اور محکوم کو سامراجی قبضہ کے خلاف اُبھارا، محنت کش عوام کو اپنی محنت کے ثمر کو ملکی اور غیر ملکی استحصال کے قبضہ سے واگزار کرانے کی تلقین کی، وہاں اس نے ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی دعوت بھی دی، جہاں متضاد مفاد رکھنے والے معاشی طبقات کا وجود نہ ہو، جو حاکم و محکوم اور آجر و مزدور کی ثنویت سے پاک ہو، جہاں فکر آزاد اور تعمیری ہو اور جو ان تمام نظریات و افکار اور فنون سے منزّہ ہو جو محکومی، غلامی، تقدیر پرستی، نفی حیات و عمل اور تنسیخِ ذات کی تلقین کرتے ہوں۔ فلک مریخ کا شہر مرغدین ایک ایسے ہی معاشرہ کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ جسے محکوم قوموں کے محنت کش اپنی سعی و جہد اور اپنے خون سے تعمیر کر رہے ہیں۔

اقبال کے فلسفہ و فکر کی اس تفسیر سے ایک الجھاؤ ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ اقبال نے تیسری دنیا کی اقوام میں سے ملّتِ اسلامیہ کو راست طور پر اپنے پیغام کا مخاطب کیوں قرار دیا ہے؟ اقبال کی تمام تحریروں، ملفوظات خطبات اور اشعار کا بنظر غائر مطالعہ سے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ اقبال جہاں محنت کے استحصال، مغربی اقوام کی ایشیاء، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی پسماندہ اقوام پر سامراجی گرفت اور قبضہ کا شدید مخالف تھا، وہاں وہ ایسی فکری اور فلسفیانہ اساس کی تلاش بھی کر رہا تھا، جو آزادی کے بعد تیسری دنیا کی اقوام کو متحد رکھ سکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور زندگی کی تعمیر نو میں ان کو روشنی مہیا کر سکے۔ یہ بات قطعی ہے کہ ایسا فلسفہ حیات وہی ہو سکتا ہے جس میں انسانوں کو رنگ، نسل، مذہب، قومیت اور تہذیب کے اختلافات سے آزاد کرانے اور ایک عالمگیر ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل کے لئے انسان دوستی کی وسیع بنیاد موجود ہوں، جو انسانی فطرت کا ایک ایسا تصور پیش کر سکے، جسے موت کا صدمہ پارہ پارہ نہ کر سکے، جو اپنی ذات میں پائیدار اور ثابت ہو، جسے زندگی نے وقتی اور عارضی فریب کی حیثیت سے مستعار نہ لیا ہو۔ جس میں سرمایہ داروں اور زر پرستوں کی تجوریوں میں " سائل اور محروم کا حق ثابت ہو اور اس حق کو حاصل کرنے کے لئے پولیس اور فوج کا تشدد اس کی مزاحمت نہ کر سکے۔ اقبال نے پروفیسر نکلسن کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں ایسا معاشرتی نظام حیات صرف اسلام کی تعلیمات سے ہی مل سکا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی اقوام اور خود یورپ و امریکہ کی ترقی یافتہ اقوام کے پاس ایسا کوئی مکمل نظام فکر نہیں ہے جسے وہ انسانیت کی تشکیلِ نو کے لئے اساس بنا سکیں۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی الہامی کتابوں کے متن (TEXT) اگر کچھ عالمگیر اصولوں کی نشاندہی کرتے بھی ہیں تو انہیں عملی جامہ پہنانے اور معاشرتی اداروں پر ان کے اطلاق کے لئے کسی منہاج کو پیش نہیں کرتے، ان مذاہب کی زبانیں مردہ ہو چکی ہیں اور ان کے مقدس بانیوں کی زندگیاں، تاسیس و تشکیلِ فکر سے لے کر اس پر اپنی جدوجہد سے ایک ریاست قائم کرنے تک کے سارے مراحل کو پیش کرنے سے قاصر ہیں، یہ مقدس اور پاکباز حکمار الٰہی اور انبیاء یا تو حکمران طبقوں کے ظلم و تشدد کی وجہ سے یا پھر محض اصولوں کی تلقین کرتے ہوئے ابدی نیند سو گئے۔ یہ صرف بانیٔ اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذاتِ گرامی ہے کہ جو وحی الٰہی پر مبنی فکر کی تشکیل و تدوین سے لے کر اس فکر پر ریاست کے قیام تک ساری جدوجہد اور جانکاہیوں میں بذاتِ خود موجود رہی ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نظام فکر محض عالمگیر اصولوں کا ہی مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں معاشرتی اداروں کو منشاء وحی کے مطابق استوار کرنے کے لئے مفصل شرعی ہدایات پر مشتمل ایک ضابطہ موجود ہے۔ مرورِ وقت کے باعث ان مذاہب کی تعلیمات میں حیات گریز اور نفی ذات پر مبنی افکار سرایت کر چکے ہیں اور ایسے مضبوط اور منظم مذہبی طبقے وجود میں آ چکے ہیں، جو اپنے مفاد کے خلاف کسی قسم کی تنقید کو برداشت نہیں کرتے۔ یہودی اور ہندو اقوام نسل پرستی کا شکار ہو چکی ہیں۔ عیسائیت نے کلیسیا کی قیادت میں سائنس کے خلاف ایک خونریز جنگ لڑی اور حقیقت کے غلط تصور اور تعبیر کا شکار ہو گئی۔ بدھ مت نفی حیات،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدم تشدد اور الحاد کے بھنور میں پھنس کر رہ گیا، چینی کنفوشس ازم پر لاؤ تزے کے طاؤ ازم اور بدھ مت نے قبضہ جمالیا، جن کی اساس حقیقت کے عدم محض کے تصوّر پر مبنی ہے۔

مغرب کے فلسفیانہ افکار اپنی تصوّراتی اساس کی وجہ سے حقیقت کی تشریح تو کرتے رہے مگر اسے بدلنے کی توفیق نہ پا سکے، مغربی فلسفہ کے مقابلہ میں اشتراکی فلسفۂ حیات نے اگرچہ جدلیات پر مبنی ہونے کی وجہ سے حقیقت کی تشریح کے ساتھ اسے بدلنے کے عزم کا اظہار بھی کیا، مگر الحاد و مادّیت کو اپنانے کی وجہ سے "مذہب دشمن فکر" کی حیثیت اختیار کر لی۔ اُسے مشرق کے الہامی مذاہب کے تصورِ حقیقت کا انکار کرنا پڑا۔ اس طرح اشتراکی فلسفۂ حیات اور گیتا، ژنداوستھا، بائیبل، بُدھ کی تعلیمات، سقراط کے حقیقت تک رسائی کے تجزیاتی اور جدلیاتی مطالعات اور قرآنِ حکیم کے نظریۂ حیات اور تصوّرِ حقیقت کے درمیان ایک ناقابلِ عبور خلیج حائل ہو گئی ہے۔ آج اگر محکوم اقوام سوشلزم کو اپنا کر اپنی محکومی اور پسماندگی کی زنجیروں کو توڑ رہی ہیں تو اس کا باعث اشتراکیت کا فلسفہ الحاد و دہریت نہیں ہے بلکہ اس کے معاشی اور سیاسی تصوّرات ہیں جو مشرق کے تمام عظیم مذاہب کا جزوِ لاینفک رہے ہیں اور جن کی اساس پر پچھلے سات ہزار برس تک یہ مذاہب اور ان کے مقدس بانی اپنے اپنے خطّہ میں، روم، ایران، ہندوستان، دجلہ و فرات کی بابلی، کلدانی، آشوری اور فراعنۂ مصر کی غلام ساز تہذیبوں کے خلاف نبرد آزما رہے اور آقاؤں کے خلاف غلاموں کی جدوجہد کی قیادت کرتے رہے۔

مشرق و مغرب کے مذاہب اور فلسفیانہ مسالک میں صرف اسلام ہی تنہا ایسے مذہب اور نظامِ فکر کی حیثیت سے رکھتا ہے جس میں اقوامِ عالم کے تمام انبیاء کی بعثت اور ان کی تعلیمات نے اپنی حقیقی شکل میں ازسرِنو اپنے آپ کو دریافت کیا۔ یونان کے سقراط، چین کے کنفوشس، دجلہ و فرات کی وادیوں کے سامی النسل انبیاء، ہند کے سری کرشن، راما، سدھارتھ بدھ اور لارڈ مہابیرا، ایران کے زردشت اور مصر کے اخناتون نے قرآنِ حکیم کی شکل میں نہ صرف اپنی (ORIGINALITY) کو پایا، بلکہ اپنی تکمیل بھی حاصل کی۔

ایسی صورتِ حال میں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ اقبال اسلام کو ایک مکمل فلسفۂ حیات اور کامل مذہب کی حیثیت سے اقوامِ عالم کے سامنے پیش کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات بے حد ضروری تھی کہ مغرب کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد جب تیسری دنیا کی اقوام اپنی حیات کی تشکیلِ نو کے لئے سرگرم ہوں تو وہ سامراجی مغرب اور اشتراکیت کے حسّی (SENSAT) اور تصوّراتی (IDEATIONAL

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفوں کی بجائے ایک کامل (INTEGRAL) تصورِ حیات کو اپنائیں اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایک (INTEGRAL) فلسفۂ حیات یا نظامِ فکر صرف اور صرف انبیاء کی تعلیمات میں ہی پایا جاتا رہا ہے جو اپنے اندر حسی اور تصوراتی فلسفوں کی تمام صحت مند اقدار کی حامل ہیں۔

امام ولی اللہ نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے اقوامِ عالم کی اصلاح و تزکیہ کے لئے عربی قوم کو واسطہ بنایا تھا اسی طرح علامہ اقبال کا ملتِ اسلامیہ کی اصلاح و تزکیہ سے مقصد، اقوامِ عالم کے تہذیب و ارتقاء کے لئے اسے واسطہ کی حیثیت سے استعمال کرنا تھا۔

اس وقت جب کہ یورپ اور امریکہ کی سامراجی اور سرمایہ دار معیشت کی کوکھ سے ابھرنے والی تہذیب دم توڑ رہی ہے اور روس کی اشتراکی تہذیب اپنی ملحدانہ احساس کی وجہ سے اپنے اساسی نظریات و مقاصد سے پیچھے ہٹ رہی ہے تو تیسری دُنیا کی اقوام ایک ایسی آئیڈیالوجی اور ایک ایسے نظامِ فکر کی ضرورت مند ہیں جو ان کی عظیم مذہبی ثقافت اور تہذیب کے تقاضوں سے تطابق رکھتی ہو، ان کی عظیم اقدار کو معاشرتی زندگی میں سمو سکتی ہو، جو افراد کے روز مرہ کے چلن (WAYOFLIFE) کو ان اقدار کی منشاء کے مطابق ڈھال سکتی ہو اور خوف و حزن یعنی جنگ اور بھوک سے نجات دلا کر ایسی فضا تیار کر سکتی ہو جس میں انسان پورے سکون و سلامتی کے ساتھ اپنی محدود انا کا رشتہ لامحدود انا کے ساتھ قائم کر سکے، جو اس کی تخلیق کی غایت ہے۔ ایسی آئیڈیالوجی یا نظامِ فکر سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب یا فلسفیانہ نظام نہیں پیش کر سکتا۔ اقبال نے اسلام کے عالمگیر، سرمدی اور انقلابی پہلوؤں کو اُجاگر کر کے اس کے دامن کو اس قدر وسیع اور اجتہاد پسند بنا دیا ہے کہ مختلف تہذیبیں، ثقافتیں، مذاہب اور افکار اس میں پناہ لے کر اپنی تکمیل حاصل کر سکتے ہیں اور اقوامِ عالم اپنی حیاتِ اجتماعی کو مزّکی، ارتقاء پذیر اور تابناک بنا سکتی ہیں۔

اسلام کی انسان دوست، عوام پرور اور شرف انسانیت کے عنصر کی پرورش کرنے والی اقدار اور قابلیات (MERITS) کو اقوامِ عالم کے سامنے عملی اور تجرباتی اساس پر ایک قابلِ تقلید نمونہ کی حیثیت سے پیش کرنے کے لئے اقبال نے پاکستان کے تصور کو پیش کیا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک حیاتِ انسانی کو سنوارنے، ارتقاء پذیر کرنے اور مکمل کرنے کے لئے حقیقتِ اولیٰ (ULTIMATE REALITY) کا مابعد الطبیعیاتی اور نفسیاتی ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے معاشرتی پہلو کو واضح کرنا بھی لازمی ہے کیونکہ جب تک کوئی شے یا تصور اپنے ممکنات اور (POTENTIALITIES) کا معاشرتی سطح پر اظہار نہ کرے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کے لئے (CONTEMPLATIVE) اور قابلِ مطالعہ تو ہو سکتی ہے مگر وہ اس سے استفادہ نہیں کر سکتی۔

اقبال پاکستان کو اسلام کے لئے ایک تجربہ گاہ کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ جہاں اسلام کی روشنی میں ان بنیادی اور اساسی تضادات کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی، جن کی نشاندہی خضر راہ کی نظم کے ابتدا میں سوالات کی شکل میں کی گئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پاکستان کی جاگیردار قیادت نے، قائداعظم کی وفات کے فوراً بعد اس بدنصیب ملک کو اشتراکی اثرات سے بچانے کے لئے پہلے تو اس کی فوج اور انتظامیہ کو امریکہ کی دسترس میں دیا اور بعد میں اس قیادت نے امریکہ اور مغربی یورپ کے کارٹلوں اور مالیاتی کارپوریشنوں کے اجارہ داروں کے تعاون سے اپنے ملکی محنت کش عوام کا جی بھر کر استحصال کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے پچیس برسوں میں ترقی کرنے کی بجائے ملک کا آدھا حصہ علیحدہ ہو گیا اور دوسرا حصہ مضبوط تخریب پسند جماعتوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ جب کہ پاکستان کی تخلیق سے دو سال بعد ابھرنے والا اشتراکی چین آج ایٹمی قوت بن چکا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد سے آج تک یہاں کے دانشوروں اور سیاسی لیڈروں نے اقبال کے نظریات و افکار سے پہلوتہی کرنے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ ان قوتوں نے اقبال کو قوالوں اور تحقیق و مطالعہ کے مابعد الطبیعیاتی اور میکانکی منہاجوں سے مسائل کو حل کرنے والے غیر انقلابی ذہنوں کے حوالے کر دیا۔ آج عملی طور پر تصورِ پاکستان کا یہ عظیم خالق اپنی تابندہ تخلیق سے قطعی طور پر علیحدہ (ISOLATE) ہو چکا ہے اور چند خوش فکرے ذہن اسے تبرک کے طور پر گاہے گاہے یاد کر لیتے ہیں۔

پاکستان کے سرمایہ دار طبقہ اور اشتراکی الحاد کے مفاد کی نمائندگی کرنے والے ادب کے چند دانش فروش اسکالروں نے حضرت علامہ کے افکار کی انقلابی قدر و قیمت کم کرنے کے لئے یہ تحقیق فرمائی ہے کہ ان کے تمام افکار فلاطینوس، فشتے، برگساں اور نطشے سے ماخوذ ہیں۔ ان کا اپنا اورجنل (ORIGINAL) کچھ بھی نہیں۔ یہ نتیجہ ہے کسی مفکر کے نظریات کو اس کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے علیحدہ کر کے معالعہ کرنے کا یہ غیر جدلیاتی طریق مطالعہ فطرت، تاریخ اور معاشرہ کی ارتقائی حرکت کو اضداد کے باہمی تصادم کا نتیجہ قرار نہیں دیتا، لہٰذا محنت کش عوام اور ذرائع پیداوار پر قابض استحصال پسند طبقوں کے درمیان باہمی کش مکش بھی اس کی نظروں سے اوجھل رہی ہے اور تاریخی واقعات بادشاہوں اور امراء کے گرد گھومتے تصور کئے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال نے جدلیاتی طریق مطالعہ رومیؒ سے اخذ کیا اور رومی نے ابن عربیؒ اور ابنِ خلدون سے، ہیگل اور مارکس کے مطالعہ نے اقبال کے اس طریق مطالعہ کو مزید تقویت دی، یہی وجہ ہے کہ اقبال کے افکار و تصورات محنت کش عوام کی حمایت میں جانبدار ہو گئے اور اقبال نے بھی مارکس کی طرح فلسفہ کا طالب علم ہونے کے باوجود سب سے پہلی کتاب "اقتصاد" پر لکھی۔

اگر آج بھی اقبال کے افکار و نظریات کو اس کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف پاکستان تیسری دنیا کی اقوام میں قائدانہ حیثیت حاصل کر سکتا ہے، بلکہ اسلام ایک عالمگیر، تاریخ ساز انقلابی قوت کی حیثیت سے کرۂ ارض پر ابلیسی قوتوں کو شکست دے کر، خودی کی موت کے جذام میں مبتلا مشرق و مغرب کے انسان کو اس کے وجود کی معنویت اور غایت کی تکمیل میں مدد دے سکتا ہے اور آدمی باطل قوتوں کے پیدا کردہ الحاد و استحصال کے اتھاہ اندھیروں سے نکل کر اپنی فطرت کی تجلّی زار میں پھر سے آباد ہو سکتا ہے۔

The concept of God as the most fundamental of all truths is indispensable to Science as a system of truths. It must be used to illuminate the paths of scientific observation and inquiry in the worlds of matter, life and mind and to reveal new scientific truths which can never be known in its absence.

ISLAMIC EDUCATION

is a two-monthly journal which publishes articles explaining the theory and practice in that Perfect System of Education which is based on the Perfect Ideal, namely, God as defined by Islam.

OBJECTS

★ To present panoramic views on the contemporary sciences with the object of integrating them with the idea of God so that these sciences become God-appreciating, God-seeking and God-finding sources of human knowledge.
★ To establish the eternal truth of Islamic teachings in the light of latest researches.
★ To spell out in detail various aspects of theory and practice of Islamic education.
★ To review and critically examine the current theories of epistemology and education.
★ To conduct researches on academic works of Islamic thinkers.
★ To offer Islamic guidance on current problems of humanity.

Subscription { Annual Rs. 12/-
{ Per Copy Rs. 2/-

Can be had from

ALL-PAKISTAN ISLAMIC EDUCATION CONGRESS

7, Friends Colony, Multan Road, Lahore

© rasailojaraid.com